ماہنامہ
اِنذار
ستمبر 2017ء
مدیر
ابویحییٰ

توبہ میں جلدی کیجیے
اللہ تعالیٰ آپ کا انتظار کر رہے ہیں

www.inzaar.org

ستمبر 2017ء ذوالحجہ 1438ھ
جلد 5 شمارہ 9

ابویحییٰ کے قلم سے

فی شمارہ ـــ 25 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 500 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 400 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ)
بیرون ملک 2500 روپے
(زرتعاون بذریعہ پوسٹل بیئرر آرڈر یا ڈرافٹ)
نارتھ امریکہ: فی شمارہ 2 ڈالر
سالانہ 24 ڈالر

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

عدل کامل کا دن

آج نواز شریف صاحب کو سپریم کورٹ کے ایک فیصلے کے تحت وزارت عظمیٰ ے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ اس فیصلے پر جشن منانے والے جہاں بہت سارے لوگ ہیں، وہیں اس پر تنقید کرنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ نواز شریف صادق و امین نہیں تو کیا اقتدار، سیاست اور مقتدر اداروں میں بیٹھے ہوئے دیگر لوگ آب زم زم سے دھلے ہوئے ہیں۔ لوگ سرے محل، سیتا وہائٹ، ارسلان افتخار، اصغر خان کیس، آئین کو پامال کرنے والوں اور آئین میں ترمیم کا اختیار ایک آمر کو دینے والی عدالت عظمیٰ کا حوالہ دے کر یہ نکتہ اٹھا رہے ہیں کہ جب انصاف سب کے لیے نہ ہو تو پھر یہ انصاف نہیں انتقام ہوتا ہے۔

اس پوری بحث سے قطع نظر یہ واقعہ ہے کہ اس دنیا میں انصاف کم ہی عام رہا ہے۔ خاص کر ہمارے جیسے معاشرے میں جہاں قانون کے بجائے طاقت کی حکومت کا تصور عام ہے وہاں انصاف پر تقریر کرنا اپنے وقت کے زیاں کے مترادف ہے۔ یہ صورتحال اتنی تکلیف دہ ہے کہ ایک حساس انسان کے لیے جینا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے میں انسان کو طاقت اور مفاد کے بجائے اخلاقی اقدار کے تحت زندگی گزارنے پر آمادہ کرنے والی صرف ایک چیز ہے۔ وہ یہ کہ ایک روز کائنات کو بنانے والا خود کرسی عدالت پر جلوہ افروز ہوگا۔ اس روز ہر ظالم چاہے وہ کتنا ہی طاقتور ہو اس کے انصاف کی زد میں آ کر رہے گا۔ وہی دن حقیقی اور کامل انصاف کا دن ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا انصاف کے لیے نہیں، امتحان کے لیے بنائی گئی ہے۔ امتحان یہ ہے کہ کون طاقت اور اختیار پا کر بھی خود کو خدا کے سامنے بے اختیار کر دے، کون مفاد پر اخلاق کو ترجیح دے، کون دوسروں کا احتساب کرنے کے بجائے اپنا احتساب کرتا رہے۔ اُس روز ایسے ہی صادق اور امین لوگ جنت کی سرفرازی پائیں گے۔ باقی لوگ خدا کے انصاف کا وہ ظہور دیکھیں گے جس کی تاب لانا کسی کے لیے بھی ممکن نہیں۔ عدل کامل کا وہی دن ہے جس کی امید ہر کمزور کو زندہ رکھتی ہے۔

مریضانہ سوچ

اختلاف رائے انسانی طبیعت کا خاصہ ہے۔ یہ اس اختیار کا نتیجہ ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس دنیا میں بھیجا ہے۔ اس اختلاف میں اس پہلو سے بڑی خیر و برکت بھی ہوتی ہے کہ ہر معاملے کے تمام زاویہ ہائے نظر سامنے آجاتے ہیں۔

بدقسمتی سے ہماری قوم کی اس پہلو سے تربیت ہی نہیں کی گئی کہ اختلاف رائے کے آداب کیا ہیں۔ کس طرح اختلاف رائے کو مفید اور مثبت فیصلہ سازی میں مددگار بنایا جاسکتا ہے۔ کس طرح مختلف سوچنے والوں کو زندہ رہنے، بولنے اور معاشرے میں کام کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ کس طرح دوسروں کو بھی یہ حق ہے کہ وہ ہم سے الگ سوچیں اور اپنی بات کا اظہار کریں۔

ہم اختلاف رائے کے معاملے میں کتنے پست بلکہ کس درجہ مریضانہ ذہن کے حامل ہو چکے ہیں، اس کا اندازہ کرنا ہو تو کسی سیاسی یا مذہبی معاملے میں اختلاف رائے کر کے یا کسی سیاسی یا مذہبی لیڈر پر تنقید کر کے دیکھ لیں۔ اس کے بعد آپ کا واسطہ دو پاؤں پر چلنے والے ایسے انسانوں سے پڑے گا جنھیں ''سگِ آزاد'' کے سوا کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ لوگ ہر اخلاقی قدر اور شائستگی کی ہر زنجیر توڑ کر اپنے سے مختلف نقطہ نظر رکھنے والے پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ اور جب تک اس کی ایمان، عزت حتیٰ کہ گھر کی خواتین کے بھی بخیے نہ ادھیڑ دیں، انھیں سکون نہیں ملتا۔

سوشل میڈیا کے فروغ نے ایسے اخلاقی مریضوں کو بالکل کھول کر رکھ دیا ہے۔ فیس بک کی گلیوں میں آوارہ اور بے قابو گھومتے ہوئے یہ سگِ آزاد اپنے سے مختلف رائے رکھنے والے ہر شخص کی آواز کو اپنی آواز سے دبانے کے درپے رہتے ہیں۔ اس طرح کے مریضوں سے سماج کو بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ یہ اصول طے کر لیا جائے کہ اہل دانش اخلاقی اقدار کو اپنا متفقہ مسئلہ بنالیں۔ دوسری صورت میں یہ مریض معاشرے میں اپنا زہر پھیلاتے چلے جائیں گے۔

انتہا پسندی اور حقِ اختلاف

انتہا پسندی کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ نقطہ اعتدال سے ہٹ کر ایک انتہائی راستے کو اختیار کرنے کا نام ہے۔ یہ بات کسی درجے میں درست ہے، مگر انتہا پسندی کو ایک مسئلہ بنا دینے والی اصل چیز یہ ہے کہ اس مرض میں مبتلا لوگ دوسروں کا حقِ اختلاف سلب کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ایسے لوگ کسی معاملے میں ایک انتہائی رائے قائم ہی نہیں کرتے بلکہ خود کو مکمل حق اور دوسروں کو مکمل باطل قرار دینے کی بھی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ ان کے نقطہ نظر کے علاوہ معاشرے میں کوئی نقطہ نظر باقی نہ رہے۔ کوئی اختلاف رائے کرے تو اس کے خلاف نکتہ آفرینی، جھوٹا پروپیگنڈا، الزام و بہتان کی مہم شروع ہو جاتی ہے۔

یہی وہ انتہا پسندی ہے جو فرقہ واریت اور علمی جمود پیدا کرتی ہے۔ یہی انتہا پسندی آگے بڑھتی ہے اور تکفیر اور دہشت گردی کا راستہ اختیار کر لیتی ہے۔ آپ کسی بھی فرقہ پرست یا دہشت گردوں کے کسی بھی حمایتی کی کوئی بھی تحریر پڑھ لیں یا تقریر سن لیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ خود کو آخری حق اور دوسروں کو باطل محض سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشرے سے اگر دہشت گردی اور فرقہ واریت کو ختم کرنا ہے تو اس کے لیے انتہا پسندانہ سوچ کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ اور انتہا پسندی کو ختم کرنا ہے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے۔ لوگوں کا حقِ اختلاف تسلیم کیا جائے۔ انسانوں کو اپنے سے مختلف نقطہ نظر کو اختیار کرنے اور اسے پھیلانے کا حق دیا جائے۔

یہ وہ حق ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا ہے۔ جب کبھی کوئی فرد یا گروہ اس حق کو چھینتا ہے تو وہ معاشرے میں انتہا پسندی کو فروغ دیتا ہے۔

رہنما اور ان کے معتقدین

مسلم لیگ اور تحریک انصاف کے درمیان بپا مادر پدر آزاد موجودہ سیاسی دنگل کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس میں بہت سے مذہبی دانشور بھی بطور پارٹی شریک ہیں۔ وہ اپنے مخالف سیاسی رہنما کی مخالفت میں جب ہر حد کو عبور کر رہے ہوتے ہیں تو ایک عبرت انگیز واقعہ رونما ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ان کے معتقدین میں سے جو لوگ سیاسی طور پر ان سے مختلف رائے رکھتے ہیں، پہلی دفعہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے رہنما کا اصل مسئلہ حق پرستی نہیں تھا، بلکہ یہ اس کا تعصب تھا جو اس کے بے معنی الفاظ کو استدلال کے قالب میں پیش کر رہا تھا۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں۔ کسی سیاسی لیڈر کے خلاف اگر کوئی خاتون کسی قسم کے الزامات بغیر ثبوت کے لگائے اور تمام قرآئن اس کے الزامات کے خلاف ہوں، تب بھی ایسے رہنما ان الزامات کو اطمینان سے پھیلاتے ہیں۔ مگر اس سے کہیں زیادہ سنگین الزامات ان کے فرقے کے کسی عالم کے خلاف لگائے جائیں اور تمام قرائن یہ بتاتے ہوں کہ الزامات ٹھیک ہیں، تب بھی وہ کہتے ہیں کہ بلا ثبوت قطعی یہ الزام قابل قبول نہیں۔ پیروکار اگر مذہبی پہلو کے ساتھ سیاسی طور پر بھی رہنماؤں کے ہم نوا ہوں تو ایسی باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ لیکن سیاسی طور پر ان کی رائے مختلف ہو تو پہلی دفعہ ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ ایسے تمام اندھے معتقدین کی آنکھیں قیامت کے دن مکمل طور پر کھول دی جائیں گی۔ جب اللہ تعالیٰ خود یہ بتائیں گے کہ تم اندھے بن کر جن لوگوں کی پیروی کر رہے تھے، وہ متعصب تھے۔ ان کی بات کسی اصول پر نہیں بلکہ ان کی ذاتی پسند و ناپسند اور تعصب پر مبنی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کے بعد حکم ہوگا کہ ان کو بھی جہنم میں پھینکو اور ان کے اندھے پیروکاروں کو بھی دوزخ کی راہ دکھاؤ۔ جس کے بعد لیڈر اور معتقدین دونوں ایک

دوسرے پر لعنت کرتے ہوئے جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس حالیہ سیاسی دنگل میں مذہبی دانشوروں کی شمولیت اس پہلو سے بڑی نعمت ہے کہ تمام مذہبی حلقوں میں موجود اندھے معتقدین کو ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند ہونے سے قبل آنکھیں کھولنے کا ایک موقع ملا ہے۔ انھیں یہ موقع ملا ہے کہ اپنے رہنما کی بات کو اپنے جذبات کے بجائے خدا کے سچے برحق قرآن مجید کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کریں۔ وہ سچائی اور حق کو اپنا اصل مسئلہ بنالیں۔ حق اور سچ جہاں سے ملے اسے لے لیں۔ ان کا فرقہ، ان کا عالم، ان کا رہنما بھی اگر حق کے خلاف ہو تو اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔

جن لوگوں نے آج یہ کام نہیں کیا، کل قیامت کے دن ایسے رہنماؤں اور معتقدین کا ساتھ ابدی کر دیا جائے گا۔ مگر یہ ساتھ جہنم کی اس وادی میں ہوگا جہاں رونے اور پچھتانے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

نواز شریف کی نااہلی اور قومی دیوالیہ پن

آج کل لوگ نواز شریف صاحب کی عدالت عظمیٰ کے ہاتھوں نااہلی کے سیاسی پہلوؤں پر بے تکان بول اور لکھ رہے ہیں۔ دوسری طرف یہ خاکسار کوشش کر رہا ہے کہ اس موقع پر کچھ اخلاقی معاملات پر توجہ دلائی جا سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ہمارے سیاسی بحران سے زیادہ ہمارے اخلاقی بحران کو بے نقاب کر گیا ہے۔ قومیں سیاسی بحران سے نکل کر اپنا سفر جاری رکھ سکتی ہیں۔ اخلاقی بحران کا راستہ وہ نشیب ہے جس کے بعد کوئی عروج نہیں ہوتا۔

ہمارے اس اخلاقی بحران کی ایک مثال وہ آرٹیکل ہے جو نواز شریف صاحب کی نااہلی کے بعد فیس بک، واٹس ایپ اور سوشل میڈیا کے دیگر ذرائع پر بہت زیادہ پھیلایا گیا۔ اس آرٹیکل کے مصنف سوشل میڈیا کے معروف مصنف اور دانشور جناب ظفر اللہ خان المعروف ید بیضا تھے۔ اس آرٹیکل میں نواز شریف صاحب کے بارے میں ہوشربا قسم کے انکشافات کر کے یہ بتایا گیا تھا کہ وہ ایک ملک دشمن شخصیت ہیں۔

ید بیضا ایک کاٹ دار قلم کے مالک ہیں۔ اس مضمون میں ان کے قلم کی کاٹ اپنے کمال پر تھی۔ نواز شریف صاحب کے تمام مخالفین نے اس مضمون کو ایک عطیہ خداوندی سمجھ کر خوب پھیلایا۔ جب یہ مضمون پھیل گیا تو انھوں نے یہ وضاحت کر دی کہ یہ سنجیدہ اسلوب میں لکھا گیا ایک طنزیہ مضمون تھا جو تمام تر ان جھوٹی کہانیوں پر مشتمل ہے جو فیس بک پر عام پھیلی ہوئی ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ان کی تردید کے باوجود یہ مضمون ان کے نام سے ابھی تک سوشل میڈیا پر پھیلایا جا رہا ہے۔ بلکہ آخری دفعہ جو مضمون راقم کو ملا ہے، اس کے آغاز میں یہ وضاحتی جملہ بھی درج ہے کہ مضمون نگار روز یراعظم نواز شریف کے سابقہ مشیر تھے۔ گویا یہ لنکا کسی اور نے نہیں بلکہ گھر کے بھیدی ہی نے ڈھائی ہے۔ اس لیے اس کو بالکل یقینی جانیے۔

یہ مضمون راقم کو ایسے ایسے نیک لوگوں نے بھی فارورڈ کیا کہ ان کی نیکی اور پارسائی کی اگر قسم کھانے کے لیے کہا جائے تو بلا جھجک یہ قسم کھائی جا سکتی ہے۔ مگر وہ اس کو پھیلاتے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے باوجود کہ کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات بلا تصدیق آگے بڑھا دے۔

اس حوالے سے ہمارے اخلاقی دیوالیے پن کی ایک دوسری مثال مسلم لیگ ن اور تحریک انصاف کے ہمدردوں، وابستگان حتیٰ کہ بعض لیڈروں کا بھی کا ایک دوسرے کے خلاف تہذیب و شائستگی سے گری ہوئی گفتگو کرنا ہے۔ بات یہیں تک رہتی تو کچھ غنیمت تھا مگر فریقین نے سوشل میڈیا پر ایک دوسرے کی خواتین کارکنوں، لیڈروں اور ان سے متعلق خواتین کے بارے میں جو شرمناک گفتگو کی اور الزامات لگائے وہ ناقابل تصور ہیں۔ یہ گفتگو اتنی پست اور گری ہوئی ہے کہ گھٹیا سے گھٹیا شخص بھی پبلک میں خواتین کے بارے میں ایسی گفتگو کرتے ہوئے کچھ سوچے گا۔

دونوں طرف سے کی گئی یہ گفتگو مجھے اس واقعے کی یاد دلا گئی کہ پاکستان کئی برس تک فحش سائٹ دیکھنے والے ممالک میں سرفہرست رہا ہے۔ چنانچہ اس دور میں ہمارے دشمنوں نے ہمیں ''پورنستان'' کا خطاب دے دیا تھا۔ سرفہرست رہنے کا یہ اعزاز جب چھنا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ لوگوں کو کچھ حیا آ گئی تھی، بلکہ ایسی ویب سائٹ بڑے پیمانے پر بین کر دی گئی تھیں۔ اس لیے ان تک پہنچنا عام لوگوں کے لیے آسان نہیں رہا تھا۔ مگر یہ گفتگو دیکھ کر خیال آیا کہ علانیہ ایسی بے ہودہ گفتگو کسی ''پورنستان'' کے باسی ہی کر سکتے ہیں۔

اس وقت لوگ نواز شریف صاحب کی نااہلی پر سیاسی بحران کے حوالے سے پریشان ہیں۔ وہ ملکی عدم استحکام کو تشویش کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ وہ جمہوریت کے مستقبل کے بارے

میں فکر مند ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اگر ہمیں رونا چاہیے تو اپنے اخلاقی دیوالیے پن پر رونا چاہیے۔ ماتم ہونا چاہیے تو اس جھوٹ پر ہونا چاہیے جو تمام تر تردید کے باوجود پھیلتا رہتا ہے۔ دکھی ہونا چاہیے تو اس بے حرمتی پر ہونا چاہیے جو سیاسی کارکنوں کے ہاتھوں مخالف گروہ کی خواتین کی ہوتی ہے۔ مسئلہ سمجھنا چاہیے تو اس عدم برداشت کو سمجھنا چاہیے جس میں مذہبی اور سیاسی اختلاف کرنے والے تمام اخلاقی حدود کو پامال کر جاتے ہیں۔

مگر افسوس کہ ہمارے اہل دانش ہمیشہ سے سیاست کے اسیر رہے ہیں۔ وہ لوگ یہ حقیقت نہیں جانتے کہ قومیں سیاسی معاملات کی وجہ سے تباہ نہیں ہوتیں، اخلاقی پستی کے ہاتھوں تباہ ہوتی ہیں۔ خدا کا غضب سیاسی غلطیوں پر نہیں بھڑکتا، اخلاقی جرائم پر بھڑکتا ہے۔ بدترین سیاسی لیڈر ایک سزا ہوتے ہیں جو اخلاقی طور پر پست لوگوں پر مسلط کیے جاتے ہیں۔

جس روز ہماری فکری لیڈرشپ کو یہ بات سمجھ میں آ گئی اور انھوں نے قوم کی اخلاقی تربیت کو اپنا مسئلہ بنا لیا، ہمارے زوال کے دن ختم ہو جائیں گے۔ مگر جب تک ان کو یہ موٹی بات سمجھ نہیں آتی، تب تک بڑے سے بڑا سیاسی لیڈر بھی ہمارے معاملات ٹھیک نہیں کر سکتا۔ ہم ایک بند گلی سے نکلیں گے تو دوسری میں چلے جائیں گے۔ ایک کھائی سے بچیں گے تو دوسری میں گر جائیں گے۔ ہم ایک مصیبت سے نجات پائیں گے تو دوسری کو اپنا منتظر پائیں گے۔

اصلاح کا راستہ اپنے اخلاقی زوال کا ادراک ہے۔ لوگوں کی اخلاقی تربیت ہے۔ اعلیٰ اقدار کا فروغ ہے۔ جذباتیت کے بجائے معقولیت کی بات پر توجہ دینا ہے۔ تعصّبات کے بجائے اصول کی پیروی کرنا ہے۔ نفرت کے بجائے برداشت اور اختلاف کا رویہ اختیار کرنا ہے۔ یہی راستہ ان شاء اللہ ہمیں ہمارے ہر مسئلے سے نکال لے گا۔

آرٹیکل باسٹھ تریسٹھ

ہمارے ملک میں سیاست عوام کی دلچسپی کا ایک بہت اہم موضوع ہے۔ شام سات سے رات بارہ تک جس طرح ہمارے ہاں ٹالک شوز دیکھے جاتے ہیں، دنیا میں کم ہی کہیں دیکھے جاتے ہوں گے۔ یہی معاملہ اخبارات اور سوشل میڈیا پر سیاسی امور کا ہے۔ ایسے میں نواز شریف صاحب کی برطرفی جیسے واقعات کے ساتھ عوام کی دلچسپی سیاسی امور میں مزید بڑھ جاتی ہے۔

سیاست اور سیاستدانوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ احتسابِ غیر میں زندہ رہتے ہیں۔ دوسروں کی ہر خامی کو نمایاں کرنا اور اپنی ہر خرابی کو دوسروں کی کمزوری کی آڑ میں چھپانا سیاست میں ایک فن ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے بیشتر فکری رہنما جن کا کام قوم کے مزاج کی اصلاح ہوتا ہے، عملی یا نظری سیاست سے پوری طرح وابستہ رہے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے بھی قوم میں اسی مزاج کو فروغ دیا۔ حتیٰ کہ خود دین اسلام کی حقیقت ہمارے ہاں احتساب کائنات قرار پائی ہے۔ جبکہ قرآن مجید دین کا مقصد اپنی ذات کا تزکیہ بیان کرتا ہے جو احتساب ذات سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ احتساب غیر سے۔

سیاسی اور فکری قائدین کا پیدا کردہ یہی وہ مزاج ہے جس میں ہمارے ہاں افراد میں احتساب ذات یعنی اپنی غلطی کے اعتراف اور اپنی اصلاح کا مزاج نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارے ہاں ہر شخص دوسرے کو آرٹیکل باسٹھ تریسٹھ کی سولی پر چڑھانا پسند کرتا ہے، مگر خود کبھی اس کے آئینے میں اپنی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ لوگ دوسروں کی صداقت اور امانت کو چیلنج کرتے ہیں، مگر اپنے کذب وخیانت سے ہمیشہ بے پروا رہتے ہیں۔

یہ رویہ کچھ چالاک، چرب زبان اور طاقتور لوگوں کو عارضی طور پر فائدہ دے سکتا ہے، مگر اجتماعی طور پر قوم اور انفرادی طور پر فرد کی آخرت کے لیے یہ رویہ تباہ کن ہے۔ دنیا میں وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جہاں غلطی کا اعتراف کر کے اصلاح کا جذبہ عام ہو۔ قیامت کی نجات انھی لوگوں کا مقدر ہے جو دوسروں کے بجائے اپنا احتساب کرتے رہتے ہیں۔

حال ہی میں نواز شریف صاحب کو آرٹیکل باسٹھ تریسٹھ کی بنیاد پر عہدے سے نااہل قرار دیے جانے کے بعد اس فیصلے کی صحت وعدم صحت پر بحث چھڑ گئی۔ اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ باقی لوگ کون سے دودھ سے دھلے ہیں۔ مگر کتنے لوگ ہیں جو اس واقعے کے بعد اس احساس سے تڑپ اٹھے ہوں کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کا احتساب شروع کریں گے۔ ان کے دل کا ہر خیال، تنہائی میں کیا گیا ہر کام، خفیہ طور پر کی گئی ہر گفتگو، رائی کے دانے کے برابر کیا گیا ہر عمل، خلوت وجلوت کی ہر مشغولیت دن کی روشنی کی طرح سب کے سامنے آ جائے گی۔

لوگوں کو اگر لازمی طور پر ہونے والے اس احتساب اور اس کے نتیجے میں ہونے والی رسوائی اور سزا کا معمولی سا اندازہ بھی ہو جائے تو ان کا سکون ختم ہو جائے گا۔ وہ دوسرے کا احتساب کرنا بھول جائیں گے۔ ان کا اصل مسئلہ یہ بن جائے گا کہ وہ روزِ قیامت عالم الغیب رب کی پکڑ سے بچ جائیں۔ ان کا پورا وجود سراپا توبہ واستغفار بن جائے گا۔

یہی وہ لوگ ہیں جو کسی معاشرے میں پیدا ہونے لگیں تو پھر صداقت و امانت عام ہو جاتی ہے۔ لوگ کرپشن اور ظلم کی ہر قسم سے دور رہتے ہیں۔ لوگ اپنی زبان، نگاہ اور ہاتھ پاؤں کو خدا کی امانت سمجھ کر ان کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنی طاقت اور اختیار کو ایک اثاثہ نہیں بلکہ ایک ذمہ داری سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ جب ایسے لوگ پیدا ہو جائیں تو پھر آئین میں کسی آرٹیکل باسٹھ تریسٹھ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر شخص اپنا محتسب خود بن جاتا ہے۔

مگر جب احتساب غیر کا مزاج پیدا ہو جائے تو پھر ہر شخص دوسروں کا احتساب کرتا ہے اور اپنے احتساب کا کبھی موقع نہیں آنے دیتا۔ ہر شخص دوسروں کی آنکھ کا تنکا ڈھونڈتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر اسے نظر نہیں آتا۔ ایسے معاشرے میں صادق و امین تو کوئی نہیں ہوتا، مگر پکڑا صرف وہ جاتا ہے جو کسی طاقتور کے نیچے آ جائے۔ باقی لوگ اپنی منافقت کے ساتھ زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کی پکڑ آتی ہے اور قوم کی دنیا اور فرد کی آخرت دونوں تباہ ہو جاتی ہیں۔

دہشت گردی: مسئلے کا حل کیا ہے؟

کراچی، لاہور اور کابل میں دہشت گردی کے واقعات کے ایک ساتھ رونما ہونے پر دہشت گردی کے اسباب ایک دفعہ پھر زیر بحث آ گئے ہیں۔ اس طرح کے واقعات گرچہ بہت المناک ہوتے ہیں اور خاص کر ان میں نقد جاں ہارنے والوں اور ان کے لواحقین کے لیے تو یہ قیامت صغریٰ کا منظر ہوتا ہے، لیکن ان شہداء کی اس قربانی سے اگر دہشت گردی کے ناسور کے اسباب پر ایک عمومی اتفاق ہو جائے تو نجانے مزید کتنی ہی قیمتی جانیں بچائی جا سکتی ہیں۔

دہشت گردی کی تین بنیادی سطحیں ہیں۔ ایک مسلح بغاوت دوسری شہری علاقوں میں کی جانے والی دہشت گردی اور تیسرا انتہا پسندی کی وہ سوچ جہاں سے ان دونوں کو غذا ملتی ہے۔ ہمارا پہلا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلح بغاوت اور دہشت گردی کے واقعات کو اصل مسئلہ سمجھ لیا گیا ہے۔ مگر ان کے پیچھے کارفرما انتہا پسندی کی سوچ کو ہمارے ادارے، حکومت اور معاشرہ تینوں بالواسطہ اور بلاواسطہ، علانیہ اور غیر علانیہ حمایت مہیا کرتے ہیں۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ آپ کسی درخت کے پتے جھاڑتے رہیں، شاخیں تراشتے رہیں، مگر جڑوں میں پانی ڈالتے رہیں۔ اس عمل کا جو نتیجہ کسی باغبان کے لیے نکل سکتا ہے، وہی نتیجہ ہمارے لیے نکلتا ہے۔ یعنی پوری ریاستی قوت کو استعمال کر کے بھی ہم دہشت گردی کو مکمل طور پر ختم نہیں کر سکے۔ چنانچہ وقفے وقفے سے دہشت گردی کا کوئی نہ کوئی واقعہ ہوتا رہتا ہے۔

ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہم کیوں دہشت گردی کے پیچھے کارفرما انتہا پسندی کی بالواسطہ اور بلاواسطہ حمایت کرتے ہیں؟ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ سیاسی ہے۔ اس خطے میں ہمارے کچھ سیاسی مفادات ہیں۔ ان مفادات کے تحفظ کے لیے جو کچھ ہماری عملی ضروریات ہیں، انتہا پسندی ان کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔

اس کی ایک دوسری وجہ نظریاتی ہے۔ دہشت گرد اپنے مقاصد کے لیے اسلام کا نام استعمال

کرتے ہیں۔ اسلام سے محبت اس خطے کے لوگوں کے مزاج کا حصہ ہے۔ چنانچہ دہشت گردوں کا مقدمہ بالکل سادہ ہوتا جس سے ہم اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں پاتے۔ یعنی اسلام کو ریاست کی سطح پر نافذ ہونا چاہیے۔ ہمارے حکمران اسلام کے بجائے مغرب کے ایجنٹ ہیں۔ اس لیے وہ کبھی یہاں اسلام کو نہیں آنے دیں گے۔ جس کے بعد ان حکمرانوں سے جنگ کر کے نجات حاصل کرنا خود ایک مذہبی فریضہ ہے۔ چنانچہ جو لوگ خودکش حملے کر کے اپنی جانیں دیتے ہیں وہ اپنی دانست میں جہاد کر کے جنت کے حصول کی جدوجہد کرتے ہیں۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں بیشتر مذہبی طبقات پچھلے برسوں میں کسی نہ کسی طرح دہشت گردوں کو تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ضرب عضب اور اے پی ایس کے واقعے کے بعد گرچہ دہشت گردی کی علانیہ حمایت کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے، تاہم ان کے اصل نقطہ نظر میں کوئی جوہری تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ جڑوں کو پانی ملتا رہتا ہے اور دہشت گردی کے درخت سے ہر کچھ عرصے میں کوئی نہ کوئی شاخ پھوٹ کر خاندان در خاندان اجاڑ دیتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ اس مسئلے کا ابھی تک ایک ہی حل سامنے آیا ہے۔ وہ یہ کہ ہماری سیاسی اور فوجی قیادت کو اپنی سیاسی ترجیحات بدلنے پر آمادہ کیا جائے۔ جبکہ مذہبی قیادت کے نظریے یا بیانیے کی غلطی واضح کی جائے۔ مگر اس حوالے سے جو کچھ کہا اور لکھا جاتا ہے، اس کے جواب میں اس سے کہیں زیادہ لکھا اور بول دیا جاتا ہے۔ اب استدلال تو ہر شخص کو سمجھ میں نہیں آتا اس لیے عام لوگ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ غلطی پر کون ہے۔

ہمارے نزدیک اس مسئلے کا ایک دوسرا حل وہ ہے جو خود قرآن کریم پیش کرتا ہے۔ وہ حل یہ ہے کہ ہماری مذہبی اور سیاسی قیادت اگر اپنا کوئی ذہن بنا چکی ہے تو ضرور بنائے، مگر اس بات کو یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حق کسی کو نہیں دیا کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کسی مسلمہ اخلاقی قدر کو پامال کرے۔ کسی انسان کی جان، مال اور عزت وہ بنیادی مسلمہ انسانی قدر ہے جس کی پامالی

اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے کے مترادف ہے۔ عملاً اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ان سیاسی اور نظری مقاصد کے حصول کے لیے یہ بنیادی انسانی قدر بری طرح پامال ہورہی ہے۔ چنانچہ ہماری سیاسی اور مذہبی قیادت پر یہ فرض ہوچکا ہے کہ وہ اپنے مقاصد کو چاہے درست سمجھتے ہوں، ان سے فوراً پیچھے ہٹ جائیں۔ وہ ہٹنے کو تیار نہیں تو معاشرے پر یہ فرض ہے کہ پھر ان کی مالی، عملی، نظریاتی اور فکری حمایت سے فوراً باز آجائیں۔ کیونکہ یہ بات سمجھنا ان کے لیے بھی مشکل نہیں ہے۔

لوگ یہ اگر کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے تو قرآن مجید اور انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اور ان کی تعلیمات یہ بتاتی ہیں کہ پھر خدا کے غضب کو بھڑکانے کے جرم میں قومی سطح پر انتہائی خوفناک تباہی آتی ہے۔ اس تباہی میں لاکھوں نہیں کروڑوں لوگوں کا مارے جانا، جان، مال اور آبرو کا برباد ہونا ایک معمولی بات ہے۔

پاکستان کی صورتحال اس لیے بہت خوفناک ہے کہ یہاں اہل علم نے اس پوری بات کو قوم کو سمجھانے کی بار بار کوشش کی ہے۔ مگر سمجھانے والوں کے حصے میں قتل، جلاوطنی، بے گھری، الزام و بہتان کی مہموں کے سوا کچھ بھی نہیں آیا ہے۔ امت مسلمہ کے بارے میں پچھلے چار ہزار برسوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ غیر متبدل قانون ہے کہ اس کے بعد مکمل قومی تباہی آیا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم میں نہ یہودیوں کو معاف کیا تھا نہ دور وسطیٰ کے مسلمانوں کو۔ ہمارے لیے بھی صحیفوں میں کوئی براءت نہیں لکھی ہوئی کہ ہم اس جرم کے ارتکاب کے بعد چھوڑ دیے جائیں گے۔

اس لیے مسلمہ اخلاقیات کو پامال کرنے والے، ان کی حمایت کرنے والے، خاموش رہ کر اپنی مذہبی دکانیں چلانے والے اور معاشرے کے تمام طبقات سوچ لیں۔ انھیں یہ کھلواڑ بہت مہنگا پڑے گا۔ زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ ان کا واسطہ کمزور انسانوں کے بجائے عالم کے پروردگار سے پڑے گا۔ اس رب عظیم کا غضب کوئی بے خوف رہنے کی چیز نہیں ہے۔ کاش خدا کے نام پر کھڑے لوگ اس حقیقت کو سمجھ لیں۔

تباہی سے بچنے کا راستہ

دور جدید کی مسلم فکری قیادت اور ان سے متاثر لوگوں کا ایک بہت بڑا مسئلہ یہ ہوگیا ہے کہ جب بھی انھیں ان کی غلطیوں پر توجہ دلائی جاتی ہے، وہ اپنی ہر غلطی کا اصل قصوروار دوسروں کو ٹھہرا کر خود اطمینان سے بری ہوجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ راقم کی ایسے ہی ایک صاحب سے گفتگو ہورہی تھی۔ وہ مسلمانوں کی ہر غلطی کا الزام دوسروں پر ڈالتے جارہے تھے۔ آخر کار جب راقم نے ان سے پوچھا کہ ہمارے یہاں جو دودھ والے دودھ میں پانی ملاتے ہیں تو کیا یہ بھی امریکی سازش ہے؟ انھوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوراً کہا۔ بالکل، یہ بھی امریکی سازش کا نتیجہ ہے۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں پاکستان اور دیگر ممالک میں جاری دہشت گردی جو اسلام اور جہاد جیسے مقدس ناموں پر کی جاتی ہے اور جس میں بے گناہ معصوم لوگ مارے جاتے اور اسلام بدنام ہوتا ہے، اس کے جواب میں بھی لوگ اطمینان سے اسی طرح کی توجیہات پیش کرتے رہتے ہیں۔ یہی وہ فکری حمایت ہے جو دہشت گردی کو مسلسل طاقت فراہم کررہی ہے۔

ان تمام توجیہات کا بنیادی فلسفہ اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ مغربی قوتوں نے ہمارے بعض علاقوں پر قبضہ کرلیا ہے اور وہ ہمارے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں، اس لیے ان کے خلاف ہر اخلاقی حدود سے ماورا ہوکر کوئی قدم اٹھانا بالکل جائز ہے۔ اس عمل میں عام لوگوں کی جان، مال، آبرو جاتی ہے تو جایا کرے، دشمن کو تو کچھ نہ کچھ نقصان ہوجاتا ہے۔ چنانچہ یہی وہ پس منظر ہے جس میں خودکشی کے فعل حرام ہونے کے باوجود خودکش حملوں کے جواز اور ان حملوں میں معصوم لوگوں کی جان لینے تک کے جواز پر باقاعدہ علمی بحثیں کی گئیں اور اگر مگر کی ڈھال سے ایسے لوگوں کا بھرپور دفاع کیا گیا۔

ہم بار بار مسلم لیڈرشپ کو یہ توجہ دلاتے رہے ہیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اور کررہے ہیں،

اسے کھیل نہ سمجھیں۔اسلام کے نام پر کھڑے ہوکر مسلمہ اسلامی اور اخلاقی اقدار کی اس طرح پامالی کے نتائج انتہائی خوفناک نکلیں گے۔مسلمان ختم نبوت کے بعد اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کے قائم مقام ہیں۔جن لوگوں نے قرآن کریم اور خاص کر حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے کو پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑا ہوا کوئی شخص اگر اپنی ذمہ داری میں ذرا بھی آگے پیچھے ہوجائے تو پھر وہ کس طرح مچھلی کے پیٹ میں بند کردیا جاتا ہے اور جب تک یکطرفہ طور پر معافی نہ مانگے رہائی نہیں ملتی۔مسلمان توبہ کرکے اپنے اخلاق کو بہتر تو کیا کرتے انھوں نے مسلمہ اخلاقیات کی پامالی کو سند جواز بخشنا شروع کردیا۔جس کے بعد دور جدید کے مسلمان بھی مسائل کی ایسی ہی وہیل مچھلی کے پیٹ میں بند ہوچکے ہیں۔

دور جدید کے مسلمانوں کے مسائل کا آغاز انیسویں صدی میں پیش آنے والے مسئلے کو بالکل غلط طور پر سمجھنے سے شروع ہوا۔اس دور میں دنیا بھر کے مسلم علاقوں پر مغربی طاقتوں نے قبضہ کرلیا۔مسلم لیڈرشپ نے اس مسئلے کو یکطرفہ طور پر مغربی ممالک کی عیاری اور ظلم کے کھاتے میں ڈال دیا۔حالانکہ یہ ایک سنت الٰہی کا ظہور تھا۔یہ سنت پچھلے چار ہزار برس سے حضرت ابراہیم کی اولاد اور ان کے متعلقین کے بارے میں جاری ہے۔مسلمانوں کے موجودہ زوال سے قبل پہلے یہودی اور پھر عربوں کی قیادت میں مسلمان اس سنت کی زد میں آتے رہے ہیں۔

سنت یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کریں گے تو ان کو زمین پر غلبہ و اقتدار عطا کردیا جائے گا۔جب نافرمانی کریں گے تو ان پر بطور سزا غیر ملکی حکمران مسلط کردیے جائیں گے۔یہود کی تاریخ میں آنے والی دو عظیم بربادیاں جن کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کے آغاز میں ہے، اسی بنا پر نازل ہوئیں۔چنانچہ پہلی دفعہ بخت نصر اور دوسری دفعہ ٹائٹس رومی کے ہاتھوں لاکھوں یہود قتل کیے گئے اور فلسطین پر ان کا قبضہ ہوگیا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں بھی کم و بیش ایسی ہی دو عظیم بربادیاں وجود میں آئیں۔پہلی تاتاریوں کے ہاتھوں اور دوسری دفعہ موجودہ دور میں مغربی اقوام کے ہاتھوں مسلمانوں کی مغلوبیت خدا کی اسی سنت کا ظہور ہے۔مگر بدقسمتی سے مسلمانوں نے اس سنت کو نہیں سمجھا۔اس کے بجائے انھوں نے بعض اہل علم کی اس اجتہادی غلطی کو اپنا ہدف بنالیا کہ غلبہ و اقتدار یا موجودہ دور کی مذہبی اصطلاح میں خلافت کی جدوجہد کرنا دین کا نصب العین ہے۔ہمارے بزرگوں کی یہ علمی غلطی ہمالیہ جیسی عظیم غلطی تھی،مگر مسلمانوں کے مزاج کے موافق تھی اس لیے لوگوں نے اس کو قبول کرلیا۔ان بزرگوں کے بعد جب اخلاقی طور پر پست لوگ اس غلطی کے وارث بنے تو یہ غلطی وہ جرم بن گئی جس کے نتیجے میں اسلام دنیا میں بدنام ہوتا ہے اور معصوم لوگ اسلام کے نام پر مارے جاتے ہیں۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نظریے کے حق میں پورے قرآن میں ایک آیت بھی موجود نہیں ہے بلکہ قرآن مجید اس کے بالکل برعکس وہ بات کہتا ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیا اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ وہ انھیں زمین میں اقتدار عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پچھلے لوگوں کو عطا کیا تھا۔''

(النور 55:24)

دیکھ لیجیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ نہیں کہہ رہے کہ تم خلافت اور اقتدار کی جدوجہد کرو۔وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والوں کو وہ اقتدار دیں گے جیسا کہ پہلے وہ دیتے رہے ہیں۔قرآن مجید اس قانون کو بیان ہی نہیں کرتا بلکہ ماضی میں بنی اسرائیل اور اُس دور میں موجود صحابہ کرام کے حوالے سے اس کے نتائج کو پوری طرح تاریخ میں کام کرتا ہوا دکھاتا ہے۔ہم نے اپنی کتاب ''آخری جنگ''میں بہت تفصیل سے اس پورے تاریخی اور قرآنی پس منظر کو بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون قرآن، سابقہ صحف سماوی اور تاریخ میں اتنے واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ کوئی شخص جو خالی الذہن ہو کر قرآن کو پڑھے گا وہ کبھی اس کو سمجھنے میں غلطی نہیں کرے گا۔ قانون یہ ہے کہ غلبہ واقتدار ایمان اور عمل صالح کا بدلہ ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی ذات میں کوئی مقصد یا ہدف ہے جسے مسلمانوں کے سامنے رکھا گیا ہے۔ قرآن واضح کرتا ہے کہ صحابہ نے اس دعوت کو قبول کیا تو اللہ نے ان سے اقتدار کا وعدہ کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ وعدہ پوری طرح نبھایا گیا۔ خلافت راشدہ کی شکل میں اس وعدہ کا ظہور تاریخ کے صفحات پر رقم ہے۔

یہی نہیں قرآن مجید ان سازشوں کو بھی زیر بحث لاتا ہے جن کے ذکر سے آج کے مسلمان کی زبان نہیں تھکتی۔ قرآن بتاتا ہے کہ کفار رسولوں کے خلاف وہ سازشیں کرتے تھے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں، مگر وہ صحابہ کرام کو ان سازشوں کے خلاف کوئی مہم چلانے پر آمادہ نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو ان کی سازشیں تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اس کے برعکس جب مسلمانوں کو جنگ احد اور جنگ حنین میں وقتی شکست اٹھانی پڑی تو قرآن نے فوراً توجہ دلائی کہ یہ ایمان واخلاق کے تقاضوں کو پامال کرنے کا نتیجہ تھا۔

چنانچہ جو لوگ اب اپنی غلطیوں کے جواب میں غیر مسلموں کی سازشوں کو وجہ جواز بناتے ہیں، ان کا مقدمہ قرآن کی روشنی میں بالکل باطل ہے۔ اور اسی روش کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ زوال کو دو سو برس گزرنے کے باوجود مسلمانوں کی تباہی اور ذلت کے دن ختم نہیں ہوتے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی پے در پے تباہیوں کا اصل باعث بھی یہی چیز ہے۔

ایک آخری بات جو سب سے زیادہ اہم ہے، اس مضمون کو ہم اسی پر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہود پر آنے والی جن دو عظیم تباہیوں کا ذکر قرآن نے کیا ہے وہ اپنی شدت میں بتدریج بڑی تھیں۔ اور ان کا آخری مرحلہ وہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگ

کھڑے ہو گئے جو یہود کو اللہ تعالیٰ کا قانون پوری طرح کھول کر سمجھا رہے تھے۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ بات سمجھتے، الٹا وہ ان سمجھانے والوں کے دشمن بن گئے۔ انبیا علیھم السلام کو اسی وجہ سے قتل کیا گیا تھا، اسی جرم میں جیلوں میں ڈالا گیا تھا اور اسی کی پاداش میں جلاوطن کیا گیا تھا۔ مگر اس کے بعد خدا کے قہر کا وہ کوڑا برسا تھا جس نے یہود کی کمر توڑ دی تھی۔

آج مسلمانوں کو یہ بات ٹھیک اسی طرح سمجھائی جا رہی ہے جس طرح یہود کو سمجھائی گئی تھی۔ مگر بدقسمتی سے مسلم لیڈر شپ نے سمجھانے والوں کی بات کو ماننے کے بجائے سمجھانے والوں کو اپنے الزام و بہتان کا ہدف بنا لیا ہے۔ عام لوگوں کو ان سے بدگمان کرنے کے لیے ایسی خوفناک اور جھوٹی مہمیں چلائی گئیں کہ شیطان بھی اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لے۔ یہ لوگ ایمان و اخلاق کی اصلاح کرنے کے بجائے اس کا بدترین نمونہ بن چکے ہیں۔ مسلمانوں نے اگر اس لیڈر شپ کی پیروی نہیں چھوڑی تو خدا کی سنت نہیں بدلے گی۔ جلد یا بدیر اس سنت الٰہی کا ظہور ہو گا۔ پھر عام و خاص اور گنہ گار و بے گناہ سب اس کی زد میں آئیں گے۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ اس سنت کا ظہور اب پاکستان میں ہو۔ لیکن لوگ باز نہ آئے تو پھر قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی دو سزاؤں کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بالکل واضح کھول کر سنایا ہے۔

''اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے۔'' (بنی اسرائیل 8:17)

ہمارے لیے تباہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ ایمان اور اچھے اعمال کی دعوت کو اپنی زندگی بنائیں۔ اپنی شخصیت کو قرآن مجید کے پیش کردہ اخلاقی معیارات پر پرکھتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا نمونہ بننے کی کوشش کریں۔ صرف اسی لیڈر شپ کی پیروی کریں جو قرآن مجید کی اس دعوت کی نقیب ہے۔ کسی اور راستے پر چلنے والے خود بھی تباہی کے گڑھے میں گریں گے اور قوم کو بھی اسی میں گرائیں گے۔

ڈاکٹر محمد عقیل

علم شیطان کا ایک ہتھیار

''حضرت! میں بہت زیادہ علم حاصل کرنا چاہتا ہوں، بہت زیادہ'' میں نے کہا۔

''تو حاصل کرلو، کس نے روکا ہے؟'' حضرت نے جواب دیا۔

''جناب مسئلہ یہ ہے کہ علم بعض اوقات تکبر پیدا کرتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں وہی سب کچھ نہ ہو جو شیطان کے ساتھ ہوا کہ وہ اپنے علم کے زعم میں خدا کے سامنے کھڑا ہو گیا؟''

''ہمم۔۔۔۔۔اس کے دو طریقے ہیں۔''

''وہ کیا؟''

''پہلا یہ کہ جو کچھ علم حاصل کرو، اس کی تمام اچھائیوں کو من جانب اللہ سمجھو۔ ہر اچھی کوٹ، آرٹیکل یا کتاب لکھو تو اس کے اچھے پہلوؤں کو من جانب اللہ سمجھو۔ اس کا سارا کریڈٹ خدا کے اکاؤنٹ میں ڈال دو۔ اس سے ملنے والی تعریفوں پر یوں سمجھو کہ لوگ تمہاری نہیں بلکہ اس خدا کی توفیق کی تعریف کر رہے ہیں جو اس نے تمہیں عطا کی۔''

''بہت عمدہ بات کہی آپ نے حضرت، دوسری ہدایت کیا ہے؟''

''دوسری ہدایت یہ کہ جب کسی کو علم سکھاؤ تو استاد نہیں طالب علم بن کر سکھاؤ۔ اس کو سمجھانے کی بجائے اس سے طالب علم بن کر سوال کرو۔ اس کے سوالوں کے جواب ایک طالب علم کی حیثیت سے دو۔ اپنی کم علمی اور غلطیوں کا کھل کر اعتراف کرو۔ اس طرح تم خود کو عالم نہیں طالب علم سمجھو گے اور تکبر پیدا نہیں ہوگا۔

''بہت شکریہ حضرت! آپ نے بہت اچھے طریقے سے بات کو سمجھایا۔''

''یاد رکھو! علم وہ ہتھیار ہے جس کا غلط استعمال خود کو ہی ہلاک کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ شیطان

سب سے آسانی سے عالموں ہی کو پھانستا ہے۔ پہلے اسے یہ یقین دلاتا ہے تم تو عالم ہو، تمہیں سب پتا ہے۔ جب سب پتا ہے تو یہ کل کے بچے تمہارے سامنے کیا بیچتے ہیں؟ اس کے بعد لوگوں کو حقیر دکھاتا ہے۔، لوگوں کے لائیکس اور واہ واہ کو استعمال کر کے انسان میں تکبر، غرور اور انا کو مضبوط کرتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ انسان خود کو عقل کل سمجھنے لگ جاتا ہے۔ پھر اپنی اور دنیا والوں کی نظر میں عالم اور متقی نظر آتا ہے، لیکن خدا کی کتاب میں اسے ''ابو جہل'' لکھ دیا جاتا ہے اور فرشتوں کی محفل میں اسے شیطان کا ساتھی گردانا جاتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی۔''

محمود مرزا

معافی کا رواج

انسانوں سے غلطی یا گناہ سرزد ہوجانا ایک فطری عمل ہے۔ اکثر و بیشتر ہم میں سے ہر شخص سے دانستہ یا نادانستہ طور پر بھول چوک اور غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم غلطیوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور نتیجتاً پہلے سے بھی زیادہ غلطیاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ تاہم کوئی بھی غلطی ہوجانے کے بعد اصل کرنے کا کام یہ ہے کہ انسان بے حسی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اپنی غلطی کو تسلیم کرے، اس کا اعتراف کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اگر اس غلطی کے نتیجے میں کسی شخص کی دل آزاری یا حق تلفی ہوئی ہے تو اس متعلقہ شخص سے فوراً معافی مانگ لے اور تلافی بھی کرلے۔

اہم بات غلطی کا ہونا نہیں ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ غلطی ہوجانے کے بعد انسان کیا رویہ اختیار کرتا ہے۔ جو رویہ درکار ہے وہ یہ ہے کہ غلطی کا احساس ہوجانے کے بعد انسان لازمی طور پر معذرت خواہ ہو اور اپنی غلطی کی فوراً معافی مانگ لے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ معافی مانگنا قطعاً آسان کام نہیں ہے بلکہ یہ ایک انتہائی مشکل کام ہے کیونکہ معافی مانگنے سے انسان دوسروں کی نگاہ میں بہت چھوٹا ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہی انسان معافی مانگنے سے خدا کی نظروں میں بہت بلند ہوجاتا ہے۔

آیئے ہم سب مل کر اس معاملے میں حساس بنیں اور معافی کے رواج کو عام کریں۔ یہی رویہ دنیا و آخرت میں ہمارے لیے بہتر اور سودمند ہے۔

عظمیٰ امبرین

اچھا کیسے لکھیں؟

بعض لوگوں کو فطرت پیدائشی طور پر یہ فن عطا کرتی ہے کہ وہ لکھنے کی خداداد صلاحیت رکھتے ہیں۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ لکھ سکتا ہے اور وہ اس میدان میں طبع آزمائی بھی کرتا رہتا ہے اس کے لیے یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ وہ اپنی لکھنے کی صلاحیت میں بہتری کیسے لا سکتا ہے۔ اگر اسے لکھنے کے لیے تردد نہیں کرنا پڑتا، وہ ارادہ کرتا ہے اور روانی سے لکھنے لگتا ہے تو بہت اچھی بات ہے۔ اس صورت میں اسے نہ صرف لکھنا چاہیے بلکہ اس صلاحیت میں بہتری اور مہارت پیدا کرتے رہنا چاہیے۔ تاکہ وہ لکھنے والوں کی صف میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہو۔ اس سلسلے میں مرحلہ وار چند ٹپس مصنفین کے لیے بہت مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔ پہلے مرحلے پر اپنے ذوق کو دیکھنا چاہیے۔ اگر آپ کے لیے لکھنا فطری امر ہے اور آپ پر تحریر گویا خود اترتی ہے، الفاظ، انداز تراکیب اور من جملہ لوازمات ساتھ لاتی ہے۔ تو بہت اچھی بات ہے۔ لکھنے کا عمل جاری رکھیں۔ بس شروع شروع میں اسے ترتیب دینا پڑے گا کچھ عرصے کے بعد ترتیب بھی خود بخود بنتی چلی جاتی ہے اور آپ پر طاری ہوتی چلی جاتی ہے۔ صلاحیتوں کا فرق بہرحال اس پر اثر انداز ہوتا ہے کہ کچھ لکھنے والے ایسے بھی ہیں جو اس کیفیت سے گزرنے کی بجائے کسی مضمون کو سلسلہ وار سوچتے ہیں اور پھر خاص ترتیب سے لکھتے ہیں جبکہ کچھ ارادہ کرتے ہیں اور روانی سے لکھنے لگتے ہیں۔

زبردستی مصنف بننے کی کوشش کسی کو نہیں کرنی چاہیے۔ ایسا شخص کوئی ایک آدھ تحریر لکھ بھی ڈالے، تب بھی بہت مستقل بنیادوں پر زیادہ اچھی چیزیں نہیں لکھ سکے گا۔ جس میں لکھنے کی صلاحیت ہے یعنی جو لکھتے ہوئے اچھا محسوس کرے، اسے لکھنا آسان لگے، اسے لکھنا چاہیے۔

دوسرا یہ کہ مطالعہ کرتے رہنا لکھنے کی بنیاد بھی ہے اور تکمیل بھی۔ آج کل اکثر لوگ لکھنے کے شوقین ہیں لیکن پڑھنے کی معمولی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔ یہ ایک بالکل ہی مصنوعی عمل ہے

کہ آپ پڑھیں نہیں اور صرف لکھتے رہیں۔ اچھا لکھنے کے لیے بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ آپ نے پڑھ رکھا ہو، اچھا پڑھ رکھا ہو اور بہت زیادہ پڑھ رکھا ہو۔ سو اصول یہ ہے کہ اگر پڑھنے کا ذوق نہیں ہے تو نہ لکھیں اور اگر لکھنے کا ذوق وشوق ہے تو بہت پڑھیں۔

تیسری بات یہ کہ اگر لکھنے کا شوق ہے اور اس کی قدرتی صلاحیت بھی ہے تو اس راہ کے ضروری لوازم سے آراستہ ہونے کا اہتمام کیجیے۔ مثال کے طور پر ورڈ میں لکھتے ہوئے جمیل نوری نستعلیق فانٹ اور فانٹ سائز 16 بہتر رہتا ہے نیز آپ کو بنیادی گرامر آنی چاہیے۔ رموز اوقاف (punctuation) سے واقفیت ہونی چاہیے۔ اکثر لوگ مصنف بن جاتے ہیں اور ان کے مضمون میں ایک نشان وقفہ (Comma) یا ختمہ (Fullstop) بھی نہیں ہوتا۔ لازمی ہے کہ یہ بنیادی چیزیں سیکھنی چاہئیں کہ فجائیہ نشان (Exclamation mark) کہاں لگتا ہے ،نشان وقفہ (Comma) کہاں لگتا ہے، پیراگرافنگ (Paragraphing) کیسے ہوتی ہے، مضمون کی ابتدا کیسے ہوتی ہے، اختتام کیسے ہوتا ہے۔ مضمون کا ڈھانچہ کیسے لکھا جاتا ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ گرامر کے اصولوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ پھر یہ کہ ذخیرہ الفاظ وسیع ہونا چاہیے۔ یہ ظاہر ہے کہ مطالعہ سے وسیع ہوگا۔ الفاظ کے معنی معلوم ہونا چاہئیں۔ اس کے لیے ایک اچھی لغت پاس میں ہونی چاہیے۔ محاورے اور تراکیب معلوم ہونے چاہئیں۔ شعر وادب کا بھی ذوق ہونا چاہیے کیونکہ ذخیرہ الفاظ بہت حد تک وہیں سے آتا ہے۔

لکھنے کی استعداد کو بہتر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے تخیل کو تحریر میں بدلنے کا ملکہ پیدا کریں۔ اس کے لیے پہلے تو اس کی عادت ڈالیں کہ جیسے ہی کوئی عمدہ خیال پیدا ہو، کوئی نکتہ ذہن میں آئے اسے فوراً نوٹ کرلیں۔ چاہے اٹھیں ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں آپ کو یہ کام کرنا ہوگا۔ ورنہ بہت اچھے اچھے خیالات جنھیں دوسروں تک پہنچنا چاہیے ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ اس لیے تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

اگر کوئی خیال ذہن میں پیدا نہ ہو کہ ہر شخص کا تخیل اتنا زرخیز نہیں ہوتا تو پھر لکھنے کی مشق کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی اچھے مصنف نے جو مضمون لکھا ہے، آپ اس کو دوبارہ لکھیے۔ پھر تقابل کریں کہ میں نے اسے کیسے لکھا ہے اور مصنف نے کیسے لکھا ہے۔ یا پھر یہ کیجیے کہ اپنے احساسات کو قلمبند کیجیے۔ ڈائری لکھنے کی عادت ڈالیں۔ یا پھر منظر نگاری کیجیے کہ صبح کا وقت کیسا ہوتا ہے یا کسی جگہ گئے تھے تو وہاں کیا دیکھا۔ ان سب چیزوں سے انسان کو لکھنا آتا ہے۔

یہ زمانہ لمبی لمبی تحریروں کا نہیں ہے۔ کوشش کیجیے کہ کم سے کم الفاظ میں اپنا مدعا بیان کردیجیے۔ جب مضمون لکھ لیں تو ہمیشہ اس پر نظر ثانی کی عادت ڈالیں۔ اپنی غلطیوں کو نوٹ کریں۔ ہو سکے تو ایک دو لوگوں سے پڑھوا کر فیڈ بیک لیں۔ پھر اسے اشاعت کے لیے بھیجئے۔

جب لکھیں تو اس کا اہتمام کریں کہ جملے چھوٹے ہوں۔ سادہ ہوں۔ مشکل اور پیچیدہ زبان استعمال نہ کریں۔ سادہ زبان پڑھنے میں آسان ہوتی ہے۔ وہ پرانا زمانہ تھا جب مرزا رجب علی بیگ کی زبان لکھی جاتی تھی۔ میر امن نے اس زبان کو بدل دیا۔ پھر اردو ادب کے جو عناصر خمسہ تھے، انھوں نے اس کو بہت آگے بڑھا دیا۔ سرسید، آزاد، شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، حالی جیسے لوگوں کو پڑھنا چاہیے ان لوگوں نے اردو زبان کو اردو بنایا ہے۔ جو دور جدید کے بڑے لوگ ہیں ان کو پڑھنا چاہیے۔

یہ لکھنے کے حوالے سے کچھ بنیادی باتیں ہیں۔ انشااللہ امید ہے کہ جب آپ اس پہلو پر محنت کریں گی تو اچھی چیزیں لکھنے لگیں گی۔ لیکن کبھی مصنف بننے کا شوق نہ رکھیں۔ اس احساس ذمہ داری کے ساتھ لکھیں کہ آپ کے پاس واقعی کوئی پیغام ہے جو آپ کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ ذہن میں رکھیے کہ یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے۔ لکھا ہوا لفظ بہت دور تک جاتا ہے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیے اور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ لکھیے۔ بیشتر لوگ لکھتے ہیں اور تعریفیں ہونے پر خوش ہوجاتے ہیں۔ مگر بارہا ایسے لوگوں کی اخلاقی شخصیت تباہ ہوجاتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ اپنے اخلاقی وجود کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

نکہت ستار

سحر شاہ

شکر کرنا

ہمیں مستقل کئی قسم کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارا زیادہ تر وقت مختلف پریشانیوں میں گزرتا ہے جیسے کام کی فکر، ہمارے معاشرے کے حالات، ہماری صحت، ہمارے بچوں کی تعلیم اوران کے بہتر مستقبل کے بارے میں خدشات وغیرہ۔

چاہے ہمارا افسر یا حاکم ہمارے دفتری ساتھیوں کو ہم پر فوقیت دے رہا ہو یا چاہے ہمارا شریکِ حیات بے ڈھنگے طریقے سے پیسہ خرچ کر رہا ہو، ہم روز بروز بحث وتکرار اور ناکامیوں میں اُلجھتے جارہے ہیں۔

اگر کبھی آپ بیٹھ کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ ہم اپنا کتنا زیادہ وقت اور توانائی شکوے شکایات کرنے میں ضائع کررہے ہیں تو آپ کو بہت تعجب ہوگا۔

ہم اکثر خود کو میسّر ہر نعمت کو اپنا حق سمجھ کر لیتے ہیں اور ذرا ایک لمحہ کو بھی نہیں سوچتے کہ اگر ہمارے پاس یہ سب کچھ نہ ہوتا تو ہمارا کیا حال ہوتا۔

بہت کارآمد ہوگا اگر ہم کبھی ان تمام چیزوں کو شمار کرنے بیٹھیں جو ہمارے پاس موجود ہیں اور جن کا ہمیں شکر گزار ہونا چاہیے۔ زندگی بذاتِ خود بہت خوبصورت نعمت ہے۔

ہمارے اندر اور اردگرد کی تمام تکالیف اور پریشانیوں کے باوجود کوئی بھی موت کا سامنا کرنا پسند نہیں کرتا اور ابھی جبکہ ہم جیتے جاگتے اور اچھے حال میں ہیں، ہم شاید ہی ان مہربانیوں کو سوچتے ہیں جن کی بدولت ہم کام کرنے کے قابل صحت مند انسان ہیں۔

قرآن پاک احسان مندی اور شکر گزاری کو بڑی ایمانی صفات میں سے ایک کے طور پر بیان کرتا ہے۔

اللہ کی نعمتیں تو اتنی لاتعداد ہیں کہ اگر ہمارا ہر لمحہ بھی اس کا شکر ادا کرنے میں گزرتا تب بھی ہم اس کی مہربانیوں کا حق ادا نہ کر پاتے۔ لیکن ہم اس کے شکر کیلئے صِرف چند لمحات ہی صرف کرتے ہیں۔

''اور وہ جو (بہت) شکر کرتا ہے وہ صِرف اپنے لئے کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بیشک اللہ بے نیاز قابلِ تعریف ہے''، (لقمان 12:31)

تمام اچھی چیزوں کی تعریف کرنا باوجود اس کے کہ وہ کتنی ہی معمولی اور چھوٹی کیوں نہ لگیں اوران کے لیے اللہ کا شکر ادا کرنا نہ صرف ہمیں خوش ہونے کے لیے روحانی اطمینان وقوت بخشتا ہے بلکہ ہمارے اردگرد بھی خوشی پھیلاتا ہے۔ خدا کو ہماری شکر گزاری کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمیں اس کا شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہمیں خوشی وطمانیت نصیب ہوسکے۔ اگر شکر ادا نہ کیا جائے تو ہماری روح پر بھی برا اثر پڑتا ہے اور امن وسکون پانا دشوار ہوجاتا ہے۔

ہم اکثر اپنے پاس موجود نعمتوں کو اپنا حق تصور کرتے ہیں اور ایک لمحہ کو نہیں سوچتے کہ اگر یہ سب نعمتیں ہم سے واپس لے لی جائیں تو کیسی بڑی محرومی ہوگی۔

ہمارے حواس، ہماری ذہانت وتعلیم، ہمارا ہنر وقابلیت، ہمارے والدین کی محبت، ہمارے گرد پھیلی اس دنیا کا سحر وخوبصورتی، اچھے کھانوں، موسیقی وآرٹ وغیرہ سے لطف اٹھانے کی ودیعت کردہ صلاحیت...... یہ ایک لامتناہی فہرست ہے جس کا شمار ممکن ہی نہیں اور یہ سب ہمیں ہماری ذاتی کوششوں سے حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام چیزیں ہم سب کی زندگیوں میں عطا کی ہیں۔

''اور اس نے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دِل بنائے اور تم بہت کم (لوگ) ہو جو (اس کا) شکر کرتے ہو''، (السجدہ 9:32)

یہاں تک کہ جب کوئی اچھے حال میں ہوتا ہے تو تھوڑا بہت شکر ادا کرلیتا ہے، جیسے ہی ذرا مسائل کا سامنا کرنا پڑا تو شکوے شکایات اور اپنی بدقسمتی کا رونا شروع کردیتا ہے۔ تب ہم ان

تمام مہربانیوں اور نعمتوں کو بھول جاتے ہیں جو ہمیں کچھ وقت پہلے میسّر تھیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ جو اسے یاد رکھے گا، اللہ اس کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑے گا۔

انسانوں کی آزمائش وامتحان اس وقت سامنے آتا ہے جب وہ مشکلات میں مبتلا ہوں اور پھر اس حال میں بھی وہ شکر گزاری کا مظاہرہ کریں، جب وہ یہ یاد رکھ سکیں کہ اللہ پہلے ان پر کتنا زیادہ مہربان رہا ہے اور آئندہ کے لیے بھی اسی پر اعتماد رکھیں۔

اللہ کی رضا وقرب پانے کے لیے انسان کو ایسی زندگی گزارنی چاہیے کہ وہ ہمیشہ مثبت رویہ کا اظہار کرے، کسی بھی حال میں ہو، اپنے خالق کا شکر ادا کرتا رہے اور اپنے حالات کی بہتری کیلئے کوشش کرتا رہے۔

شکر گزاری یا شکرانہ ایک ایسی صفت ہے کہ ساتھی انسانوں سے بھی اس کا اظہار کرنا چاہیے۔ روزانہ بہت سے لوگ کئی طریقوں سے ہماری چھوٹی بڑی مدد کرتے ہیں۔ تاہم یہ بات بھی بہت غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے کہ ہم ان سب کا شکریہ ادا کرنے کیلئے وقت نکالیں۔

دوسروں کا شکریہ ادا کرنا دراصل اللہ کا شکر ادا کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ حدیث ہے:

''وہ شخص اللہ کا شکر گزار نہیں بنتا، جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔'' (سنن ابی داؤد 4811)

اللہ کی شکر گزاری اور اس پر ایمان دراصل ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں۔ اگر ایک شخص اللہ اور اس کی رحمت پر ایمان رکھتا ہے تو اس کو تمام قسم کے حالات میں اللہ کا شکر گزار بھی لازمی ہونا چاہیے، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام تھے حالانکہ انہیں بدترین جسمانی درد و تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

اگر آپ اللہ کے شکر گزار ہیں اور اس کی رحمدلی پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کو قدرتی طور پر اس کا اجر بھی لازماً مل جائے گا۔ سورۃ رحمان میں اللہ کی چند نعمتوں کا بیان کرتے ہوئے بڑے خوبصورت انداز میں اس کو ان الفاظ میں سمویا گیا ہے۔

''اور تم اپنے ربّ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (الرحمٰن 55 :13)

(نوٹ: یہ آرٹیکل روزنامہ ڈان میں 30 جون 2017 کو شائع ہوا تھا)

فرح رضوان

ایک اچھی ساس کے کچھ اجزائے ترکیبی (حصہ ب)

معاملہ اگر یوں ہے کہ بہو یا داماد کی حرکتوں سے آپ کا خون جل رہا ہے اور بات فقط اتنی ہے کہ آپ کے گھر کے رسم ورواج اور قواعد نہیں مانے جارہے، تب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، اسے خود بھی اہمیت نہ دیں سب خوش رہیں گے آپ سمیت۔ لیکن معاملہ اگر یہ ہے کہ دین کی حدود کی خلاف ورزی ہورہی ہے تب بھی براہ راست اور فوری غصہ یا ناراضی کام بگاڑ سکتی ہے۔ غصہ ویسے عموماً شیطان ہی لے کر آتا ہے۔ کبھی یہ مذہبی حمیت کے بھیس میں ہوتا ہے اور کبھی آپ کی بڑھتی عمر کے ساتھ جسمانی اور نفسیاتی تکالیف کے سبب اور کبھی ہارمونز کے لبادے میں۔

اگر آپ ٹھنڈے دل اور میٹھی زبان سے کام لیں اور بچپن کا سیکھا ہوا سبق پہلے تولو پھر بولو یاد رکھیں تو ان شاء اللہ شر پسند ہارمونز دم دبا کر بھاگتے بنیں گے۔ اس پریکٹس کے لیے دنیا کی کوئی بھی بات مددگار ثابت نہیں ہوسکتی۔ سوائے اس کے کہ اچھے لیکچرز، دوستوں اور کتابوں کے ذریعے سے بار بار اللہ کی رضا اور دنیا وآخرت میں اپنی بقا کے بارے میں ترغیب ملتی رہے۔ مکمل یقین رکھیں کہ حکمت، تحمل، دعا اور نرمی سے ان شاء اللہ بات بن جائے گی۔

خاندان میں بہو اور داماد کی شکل میں آنے والے بچوں سے بانڈنگ بنانا بہت ضروری ہے جس میں آپ کا کردار گیلے نرم سے سیمنٹ جیسا ہونا چاہیے جو پختہ اینٹوں کو یکجا کر کے گھر کی فصیل تیار کرتا ہے۔ لیکن اس کے لیے کچھ اصول گرہ میں باندھ لیں کہ کبھی بھی اس قرب کی بنیاد درج ذیل چیزوں پر نہیں رکھنی۔

یہ کہ آپ غیبت نہ کریں۔ اس کے گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے برا ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ پھر آپ خود ہی اپنے ملنے والے لوگوں میں چسکیاں لے لے کر صرف ان کے عیب

ہی تلاش کرنے اور کڑھنے کا بیج بوئیں گی۔ پھر اس سے پھوٹنے والی شاخیں کارآمد ہوں گی نہ اس کے پھل ہی آپ کو میٹھے ملیں گے۔

یہ کہ سب مل کر فضول ٹی وی شوز نہ دیکھیں۔ اکثر لغو ہونے کے علاوہ یہ کام، وقت اور اپنی ذاتی سوچ کا ردی کر ڈالنا ہوتا ہے۔ مزید براں یہ کہ نہ جانے کب آپ سب میں سین کری ایٹنگ (scene creating) کا وائرس منتقل ہو جائے گا اور اس سے کہیں زیادہ تماشے اور ڈرامے خود آپ کے گھر میں وقوع پذیر ہونے لگیں جن کو آج آپ تفریح کے طور پر دیکھتے ہیں۔

یہ کہ بچوں کو نہ تو اپنی جبری عزت کرنے اور نہ آپس ہی میں ایک دوسرے سے محبت پر مجبور کریں۔ عزت کا مالک رب العزت ہے۔ آپ اس کے احکام پر عمل کریں ان شاء اللہ بدلے میں آپ کو آپ کی سوچ سے بڑھ کر عزت ملے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کسی کا بھی دل بدلنے پر قادر نہیں، صرف اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے۔ بچوں کی آپس میں محبت کی ترغیب کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کریں۔ احسن طریقہ وہی آپ سب کے دل و عمل میں ڈال دے گا۔ آپ کو زبردستی نہیں کرنا پڑے گی کہ فلاں بہن کی یوں مدد کرو فلاں بھائی سے یوں ملو وغیرہ۔

یہ کہ آپ کبھی کسی بھی بچے میں فرق نہ کریں۔ نیز کبھی کسی کا تقابل کسی اور سے نہ کریں۔ لڑکوں کو بھی بچپن ہی سے گھریلو کام کاج کی عادت ضرور ڈالیے۔ اپنے اطراف میں ان سب لوگوں کی سرزنش کیجیے جو مرد کو گھر کے کام کاج میں بیوی کی مدد سے روکتے ہوں۔ الحمد للہ ہم مسلمان ہیں، سنت کی اتباع پر اللہ کی رضا کے ساتھ ہی بخشش کا وعدہ ہے، تو بھلا کیوں نہ کریں ہمارے بیٹے اور مرد گھر کے کاموں میں مدد؟ اس عادت سے کم از کم اتنا تو ممکن ہو سکتا ہے کہ بہو کی بیماری یا شفٹ جاب وغیرہ کے سبب بیٹا صبح بھوکا کام پر نہیں جائے گا۔

[جاری ہے]

مکاتیب

ابویحییٰ

اولاد اور گھر والوں کے ساتھ برا سلوک

محترمی و مکرمی — 04 اگست، 2017

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

عنایت نامہ موصول ہوا جس کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔ تاہم جو حالات آپ نے بیان کیے ہیں وہ واقعی بہت تکلیف دہ ہیں۔ آپ کے والد صاحب اگر حقیقی معنوں میں ایک دیندار شخص ہیں تو پھر ان کو سب سے پہلے نیکی، حسن خلق اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ گھر والوں کے ساتھ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے ہیں اور میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ سب سے بہتر ہوں۔

یہی نہیں بلکہ قرآن مجید نے جگہ جگہ بیویوں کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین کی ہے۔ اگر کوئی شخص گھر میں بداخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہے، بیوی بچوں کو گالیاں دیتا ہے، مار پیٹ کرتا ہے اور باہر بہت مہذب اور شائستہ بنتا ہے تو درحقیقت اس نے ابھی تک اسلام کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔

ایک صالح مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ بیوی اور بچوں کے ساتھ بہترین سلوک کرے۔ ان کی مادی ضروریات کے ساتھ ان کی عزت نفس کا بھی خیال رکھے۔ ان کو اچھی تعلیم و تربیت دے۔ خاص کر بچوں کو اچھا انسان بنانے کی کوشش کرے۔ اچھا مطالعہ کرنے کی عادت ڈالے۔ اس کے برعکس اگر وہ ان کے سامنے برے کردار کا مظاہرہ کرے گا تو وہ معاشرے میں کچھ منافقوں کو جنم دینے کا باعث بن جائے گا۔ اس کی منافقت اس کے ساتھ دوسرے انسانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ پھر ان کی گمراہیوں کا وبال بھی ایسے شخص پر پڑے گا۔

دور جدید کی دینداری کا یہ بڑا المیہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی اصل تعلیم یعنی ایمان و اخلاق کی دعوت دینی فکر اور عمل کا اصل محور و مرکز نہیں بنتی۔ یہیں سے وہ سارے افراط و تفریط جنم لیتے ہیں جن کا مشاہدہ ہم مختلف پہلوؤں سے اپنے معاشرے میں کرتے رہتے ہیں۔ اس موجودہ دینداری کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ فرد کچھ ظاہری چیزوں کو بطور دین اختیار کرتا ہے اور پھر دوسروں سے بحث مباحثے اور مناظرے میں مشغول رہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کو وہ دینداری نصیب ہوجائے جو قرآن مجید پیش کرتا ہے اور جس کی سب سے بڑی عملی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ہستی ہے تو اس کے بعد انسان سب سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا بن جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان کی منافقت اور دو عملی ختم ہوجاتی ہے۔ وہ جیسے گھر سے باہر ہوتا ہے، ویسے ہی گھر کے اندر ہوتا ہے۔ جیسے جلوت میں نظر آتا ہے، ویسا ہی اپنی خلوت میں ہوتا ہے۔ جیسا معاملہ طاقتور کے ساتھ کرتا ہے، ویسا ہی کمزور کے ساتھ کرتا ہے۔ جتنی خوش اخلاقی سے گھر سے باہر والوں کے ساتھ پیش آتا ہے، اتنی ہی خوش اخلاقی سے گھر والوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔

قرآن مجید کی اس دینداری کا مرکزی خیال یہ ہے کہ رب کو راضی کرنا ہے اور اس کے بندوں کے ساتھ بھلائی کرنی ہے۔ اس بھلائی کا آغاز سب سے پہلے اپنے گھر والوں سے کرنا چاہیے۔ ان کے ساتھ اچھا نہیں بننا بلکہ سب سے اچھا بننا ہے۔ ان کی بھلائی، خدمت، محبت کو اپنی زندگی کا اہم ترین جز بنانا ہے۔ جس نے یہ کیا وہی حقیقی معنوں میں بندہ مومن ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ آپ کے والد صاحب اور تمام مسلمانوں کو یہ دینداری نصیب فرمائے۔ آمین۔ والسلام

ابویحییٰ

ابویحییٰ

مضامین قرآن (42)

دعوت کے رد و قبول کے نتائج: روزِ قیامت

قرآن مجید کی دعوت جس مرکزی خیال کے اردگرد گھومتی ہے وہ یہ ہے کہ انسانوں کا ایک رب ہے جس کے حضور انھیں ایک روز پیش ہوکر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ جو لوگ اِس دنیا میں رب کی مرضی کو اپنا مقصد اور اس کی اطاعت کو اپنا ہدف بنائیں گے وہ اُس روز نجات پائیں گے اور جنھوں نے نافرمانی کو اپنا وطیرہ بنایا وہ جنت کی ابدی بادشاہی سے محروم کرکے ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن بنادیے جائیں گے۔

یہ دن جس کے وعدے اور تذکرے سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے قیامت کا دن ہے۔ یہ اس دنیا میں انسانی زندگی کے مختصر آغاز کا وہ انجام ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یہ وہ دن ہے جو ابدی اور کامل سزا و جزا کا ہوگا۔ یہ وہ دن ہے جس کے بغیر نہ انسان کی کہانی مکمل ہوسکتی ہے نہ موجودہ دنیا کی مقصدیت سمجھ میں آسکتی ہے۔ یہ وہ دن ہے جس دن فانی انسان کو ابدی قالب دے کر اٹھایا جائے گا اور زندگی کے ہر ہر عمل چاہے وہ رائی کے دانے برابر ہو، اس کی جانچ کرلی جائے گی۔ جس کے بعد بدکاروں کو ان کی بدی کا اور وفاداروں کو ان کی وفا کا بھرپور، مکمل اور ختم نہ ہونے والا بدلہ دیا جائے گا۔

قرآن مجید اس دن کو چار عنوانات سے زیر بحث لاتا ہے۔ ایک اس دن کی علامات، دوسرا اس کا آغاز، تیسرا اس دن رونما ہونے والی مکمل تباہی اور چوتھا اس دن کے دوسرے اور آخری حصے میں تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرکے حساب کتاب کے لیے ان کا جمع کیا جانا۔ ذیل میں ہم ایک ایک کرکے ان کی تفصیل کیے دیتے ہیں۔

قرآن مجید کا جو اعلان اس کے اولین مخاطبین کے لیے سب سے زیادہ دھماکہ خیز تھا وہ قیامت کے دن کے آنے کا اعلان اور اس کا انذار تھا۔ یہ وہ دن تھا جس کی پیشی اور جس کے آنے سے خبردار کرنا انبیا علیہم السلام اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا لازمی حصہ تھا۔ چنانچہ پورا قرآن اس کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے ردعمل کے طور پر کفار مکہ نے طرح طرح سے اس دعویٰ کی تکذیب کی۔ کبھی وہ اس دن کا وقت پوچھتے، کبھی کہتے کہ قیامت کا سفینہ کہاں لنگر انداز ہو گیا ہے۔ تاہم قرآن مجید نے ان کی تکذیب کے جواب میں قیامت کے وقوع کے بہت سے عقلی و فطری دلائل تو دیے جن کو ہم دلائل آخرت کے عنوان سے بیان کر چکے ہیں، مگر اس دن کے آنے کا متعین وقت بیان نہیں کیا۔ بلکہ صراحت کے ساتھ بار بار یہ بات دہرائی کہ اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کا علم کسی نبی اور فرشتے کو بھی نہیں دیا تو عام لوگوں کو اس کا علم کیسے دیا جا سکتا ہے۔

تاہم اس حوالے سے جو واحد چیز قرآن مجید کی طرف سے سامنے آئی وہ قیامت کا وقت نہیں بلکہ اس کی ایک متعین نشانی ہے جو یاجوج ماجوج کا ظہور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے جب یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں اور وہ ہر بلندی سے پل پڑیں۔ اور قیامت کا شدنی وعدہ قریب آ گیا ہے تو ناگہاں ان لوگوں کی نگاہیں ٹنگی رہ جائیں گی جنھوں نے اس کا انکار کیا ہے۔ وہ پکاریں گے، ہائے ہماری بدبختی! ہم اس سے غفلت میں پڑے رہے۔ بلکہ ہم خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے!'' (الانبیاء21: 97-96)

قرآن مجید کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ دو مرحلوں میں ہو گا۔ پہلے مرحلے پر یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں گے یعنی ان کی یلغار کا آغاز ہو گا۔ دوسرے مرحلے میں جب ان کی یلغار اپنی پوری شدت کو پہنچے گی اور گویا کہ شکل وہ ہو گی جو زمانہ قدیم میں کسی لشکر جرار کی پوری

رفتار کے ساتھ نشیب میں موجود کسی غنیم پر ٹوٹ پڑنے کی ہوتی تھی تو اسی ہنگامے کے عین بیچ میں قیامت کا صور پھونک دیا جائے گا۔ ہمارے ہاں بعض ضعیف روایات کی بنا پر قرآن مجید کی اس بات کا مدعا بالکل الٹ کر بیان کیا جاتا ہے، اس لیے اصل بات کی نسبتاً وضاحت کے ساتھ تفصیل کی ضرورت ہے (جو لوگ اس بحث میں دلچسپی رکھتے ہوں وہ ہماری کتاب ''ملاقات'' کا مضمون 'یاجوج ماجوج کی حقیقت' میں ملاحظہ کر سکتے ہیں)۔

جس وقت قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اور اس نے یاجوج ماجوج کا ذکر کیا تو ایسا نہیں تھا کہ یاجوج ماجوج کی اصطلاحات کوئی اجنبی چیزیں تھیں۔ یہ قدیم صحف سماوی کی ایک اصطلاح تھی جس سے یہود و نصاریٰ بخوبی واقف تھے۔ یہود کی مقدس کتب عہد نامہ قدیم، تورات جس کا ایک حصہ ہے، اس میں یاجوج ماجوج کا ذکر وضاحت کے ساتھ حزقی ایل نبی کے صحیفے میں ملتا ہے، (حزقی ایل38:2-1، 39:2-1)۔ جبکہ نصاریٰ کی مقدس کتب عہد نامہ جدید المعروف انجیل میں یوحنا عارف کے مکاشفے میں ان کا ذکر آج بھی پڑھا جا سکتا ہے، (مکاشفہ 20:9-7)۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ ذوالقرنین کا واقعہ جس میں پہلی دفعہ یاجوج ماجوج کا ذکر آیا (الکہف18:94) وہ تو پوچھا ہی یہود نے تھا۔ چنانچہ جب قرآن مجید نے یاجوج ماجوج کا ذکر کیا تو کسی طرف سے ان کے ذکر پر کوئی سوال نہیں اٹھا کہ یہ کس بلا کا نام ہے۔

تاریخی طور پر بھی یہ معلوم ہے کہ یاجوج و ماجوج حضرت نوح کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ قدیم صحائف سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہ فلسطین سے اوپر کی سمت ایشیا کے شمال میں آباد تھے اور صحیفہ حزقی ایل میں ان کا علاقہ موجودہ روس اور آس پاس کا بیان کیا گیا ہے۔ یہی بات ذوالقرنین کی اس تیسری مہم کے ضمن میں معلوم ہوتی ہے جو ان کی پہلی دونوں مہموں کے برعکس جو ایشیا کے مشرقی اور مغربی سمت میں تھیں، شمال کی سمت ہوئی تھی۔ اس واقعہ میں یاجوج ماجوج کا ذکر ان کی تیسری مہم کے ذیل میں ہوا ہے۔

ایشیا کا شمالی حصہ ان کا ابتدائی مسکن تھا۔ یہ لوگ چونکہ وحشی اور غیر متمدن تھے اس لیے ایک جگہ نہ ٹھہر سکے اور وقفے وقفے سے گروہ در گروہ یہاں سے نکل کر دنیا میں پھیلتے رہے۔ ابتدا میں ان کے کچھ گروہ ایک طرف مشرق بعید اور دوسری طرف شمالی یورپ کی طرف منتقل ہوئے۔ انھی میں سے کچھ گروہ یورپ سے ہوتے ہوئے دورِ جدید میں براعظم آسٹریلیا اور براعظم امریکہ میں آباد ہو گئے اور اب یہ کہ یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا کے براعظم مکمل طور پر ان کے کنٹرول میں ہیں۔

جبکہ مکاشفے (جو دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک خواب ہے) سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج کا وہ خروج جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ انبیا میں ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزار برس کے بعد کسی وقت ہوگا۔ تاریخی طور پر معلوم ہے کہ یہ واقعہ نشاۃ ثانیہ کے بعد یورپ کی ایج آف ایکسپلوریشن کی شکل میں ہو چکا ہے۔ غالباً یہی وہ چیز ہے جسے قرآن مجید نے یاجوج ماجوج کے کھولے جانے سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے بعد رفتہ رفتہ ان کے مختلف گروہ دنیا پر یلغار کرتے رہے۔ انسانی تاریخ پہلے یورپین اور پھر روسیوں کا دنیا پر غلبہ دیکھ چکی ہے۔ اس وقت ان کا تیسرا نمایاں گروہ یعنی امریکی دنیا پر غالب ہیں۔ جس کے بعد قرآئن یہی ہیں کہ ان کا سب سے آخری نسلی گروہ یعنی زرد فام چینی اقوام دنیا پر یلغار کریں گی۔ محسوس یہی ہوتا ہے کہ ان کی یہی وہ یورش ہوگی جس کی تصویر قرآن مجید نے کھینچی ہے اور عین اسی ہنگامے میں قیامت برپا ہو جائے گی۔

قیامت اور قرآن مجید کے اولین مخاطبین

یہاں ایک طالب علمانہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے پہلے مخاطبین یعنی قریش مکہ کو قرآن مجید نے قیامت کا زبردست انذار کیا تھا۔ اس کی پوری منظر کشی کر دی تھی۔ مگر قیامت اُس وقت کیوں برپا نہیں کی گئی۔ یا اگر برپا ہی نہیں کی جانی تھی تو پھر اس کو اس طرح بیان کرنے کی کیا وجہ تھی۔ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش مکہ سے دو میں سے کسی ایک چیز کا وعدہ کیا گیا تھا

یعنی سابقہ قوموں کی طرح آنے والا عذاب یا پھر قیامت۔ وہ لوگ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو مکمل طور پر رد کر دیتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی جاتی۔ اس شمع ہدایت کے رخصت ہونے کے بعد صرف تاریکی کے اندھیرے بچتے۔ انھی اندھیروں کے درمیان سے قیامت کا زلزلہ جنم لیتا اور مکہ کے باسیوں سمیت تمام انسانیت جو پہلے ہی گمراہی کا شکار تھی، ہلاک کر دی جاتی۔ یہ وہی شکل ہوتی جو حضرت عیسیٰؑ کے معاملے میں ہوئی کہ ان کے کفر کے بعد رفع مسیح کا واقعہ ہوا اور پھر ان کے رخصت ہونے کے چند برس بعد یروشلم عذاب الٰہی میں تباہ ہو گیا۔

تاہم حکمت الٰہی میں یہ مقدر تھا کہ آپ کو حضرت موسیٰؑ کے غلبہ و اقتدار سے نسبت تھی۔ چنانچہ صحابہ کرام ایک ایک کر کے ایمان لانا شروع ہوئے۔ ان کے ایمان کے نتیجے میں خدائی اسکیم میں طے کردہ قیامت جس کا ذکر قرآن کی ابتدائی سورتوں میں بہت تفصیل سے ہے، موخر کر دی گئی۔ اس کے بجائے خدائی اسکیم میں موجود دوسری آپشن یعنی کفار پر عذاب اور صحابہ کرام کے غلبے کو قرآن کی بعد کی سورتوں میں ان کے ہونے سے پہلے ہی کھول کر بیان کر دیا گیا۔ جس کے بعد حسب وعدہ صحابہ کرام کا غلبہ پہلے سرزمین عرب اور پھر پوری متمدن دنیا پر ہوا اور ان کے ذریعے سے پوری انسانیت اسلام کی روشنی سے فیض یاب ہوئی۔

قرآنی بیانات

''یہ لوگ کس چیز کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں؟ اس بڑی خبر کے بارے میں جس میں کوئی کچھ کہہ رہا ہے کوئی کچھ! ہرگز نہیں، وہ عنقریب جان لیں گے، پھر ہرگز نہیں، وہ جلد جان لیں گے!!'' (النبا78: 5-1)

''پس جب وہ بڑا ہنگامہ برپا ہوگا (تو یہ سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا)' اس دن انسان اپنے کیے کو یاد کرے گا اور دوزخ ان لوگوں کے لیے بے نقاب کر دی جائے گی جن کو اس سے دوچار ہونا ہے۔ تو جس نے سرکشی کی اور آخرت کے بالمقابل دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا تو بس جہنم ہی بنے گی۔ اور وہ جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرا اور جس نے اپنے نفس کو

خواہش کی پیروی سے روکا تو اس کا ٹھکانا لاریب جنت ہے۔ وہ قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب کھڑی ہوگی؟ تم اس بحث میں کہاں پڑے ہو! یہ معاملہ تو تیرے رب کے حوالے ہے۔ تم تو بس ان لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے والے ہو جو اس سے ڈریں۔''
(النازعات79: 45-34)

''یہ دن شدنی ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنالے۔ ہم نے تم کو ایک قریب آجانے والے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے، جس دن آدمی اپنی اس کمائی کو دیکھے گا جو اس نے آگے کے لیے کی ہوگی اور کافر کہے گا کاش، میں مٹی ہوتا!'' (النبا78: 40-39)

''برا ہو، ناپ تول میں کمی کرنے والوں کا! جو دوسروں سے نپوائیں تو پورا نپوائیں اور جب ان کے لیے ناپیں یا تولیں تو اس میں کمی کریں۔ کیا یہ لوگ یہ گمان نہیں رکھتے کہ ایک دن وہ اٹھائے جانے والے ہیں۔ ایک عظیم دن کی حاضری کے لیے۔ جس دن لوگ اٹھیں گے خداوند دو عالم کے حضور پیشی کے لیے۔'' (المطففین83: 6-1)

''اس دن لوگ الگ الگ نکلیں گے کہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ بھی اس کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھے گا۔'' (الزلزال99: 8-6)

''وہ بلند درجوں والا اور عرش کا مالک ہے۔ وہ ڈالتا ہے روح، جو اس کے امر میں سے ہے، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو روزِ ملاقات سے آگاہ کر دے۔''
(مومن40:15)

''کہہ دو کہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ دھمکی کب پوری ہوگی، اگر تم لوگ سچے ہو! کہہ دو، یہ علم اللہ ہی کے پاس ہے، میں تو بس ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ پس جب وہ اس کو دیکھیں گے قریب آتے تو ان لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں گے جنھوں نے کفر کیا۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ چیز جس کا تم مطالبہ کر رہے تھے۔'' (الملک67: 27-24)

''وہ تم سے قیامت کے باب میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ کہہ دو کہ اس کا علم تو بس میرے رب ہی کے پاس ہے۔ وہی اس کے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا۔ آسمان وزمین

اس سے بوجھل ہیں، وہ تم پر بس اچانک ہی آدھمکے گی۔ وہ تم سے پوچھتے ہیں گویا تم اس کی تحقیق کیے بیٹھے ہو۔ کہہ دو، اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔'' (اعراف7:187)

''بے شک قیامت شدنی ہے۔ میں اس کو چھپائے ہی رکھوں گا تاکہ ہر جان کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے۔'' (طٰہٰ20:15)

''اور قیامت کے علم کا معاملہ صرف اللہ ہی سے متعلق ہے۔ اور کوئی میوہ اپنے غلاف سے باہر نہیں نکلتا اور نہ کوئی عورت حاملہ ہوتی اور نہ جنتی ہے مگر اسی کے علم سے۔ اور جس دن ان کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں تو کہیں گے کہ ہم نے تجھ سے عرض کر دیا کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا گواہ نہیں رہا۔'' (حم سجدہ41:47)

''یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جب یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں اور وہ ہر بلندی سے پل پڑیں۔ اور قیامت کا شدنی وعدہ قریب آگیا ہے تو ناگہاں ان لوگوں کی نگاہیں ٹنگی رہ جائیں گی جنھوں نے اس کا انکار کیا ہے۔ وہ پکاریں گے، ہائے ہماری بدبختی! ہم اس سے غفلت میں پڑے رہے۔ بلکہ ہم خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے!'' (الانبیاء21: 97-96)

''یا ہم تم کو اس کا کوئی حصہ دکھا دیں گے جس کا ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا تمھیں وفات دیں گے پس ان کی واپسی ہماری طرف ہوگی، پھر اللہ گواہ ہے اس چیز پر جو وہ کر رہے ہیں۔''
(یونس10:46)

''پس ثابت قدم رہو، بے شک اللہ کا وعدہ شدنی ہے۔ یا تو ہم تم کو اس کا کچھ حصہ، جس کی ان کو وعید سنا رہے ہو، دکھا دیں گے یا تم کو وفات دیں گے پس ان کی واپسی ہماری طرف ہوگی۔'' (المومن40:77)

''ان سے کہہ دو کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے رہتے ہیں تو خدائے رحمان کی شان یہی ہے کہ ان کی رسی اچھی طرح دراز کرے۔ یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے خواہ عذاب دنیا یا قیامت...... ان کو پتہ چل جائے گا کہ درجے کے اعتبار سے کون بدتر اور حمائتیوں کے اعتبار سے کون کمزور تر ہے۔'' (مریم19:75)

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ (46)

نظام الملک کے قائم کردہ مدارس کو ان کے نام کی مناسبت سے "نظامیہ" کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں لفظ "مدرسہ" سے دینی تعلیم کے مدارس ذہن میں آتے ہیں مگر نظام الملک کے نصاب تعلیم میں دینی و دنیاوی کی تفریق نہ تھی۔ ان کے نصاب میں دینی اور دنیاوی دونوں طرز کے علوم شامل تھے۔ نظامیہ مدارس نے بڑے بڑے علماء کو جنم دیا۔ مشہور عالم امام غزالی (م 505H / 1111CE) بھی بغداد کے مدرسہ نظامیہ کے صدر مدرس تھے۔ مشہور سائنسدان اور فلسفی عمر خیام (م 525H / 1131CE) کا شمار نظام الملک کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔

ہندوستان کے مدارس میں بھی نظامیہ ہی کا نصاب چلتا رہا ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر (م 1707ء) کے دور میں ایک جلیل القدر عالم ملا نظام الدین سہالوی (وفات 1748ء) نے اس نصاب میں ضروری ترامیم کر کے عالمگیر کی سول سروس کے لئے ایک نصاب تیار کیا جو ان کے نام کی مناسبت سے "درس نظامی" کے نام سے مشہور ہوا۔ موجودہ دور کے دینی مدارس میں اسی درس نظامی میں کچھ ترامیم کر کے اسے پڑھایا جا رہا ہے۔

دینی مدارس کے نصاب کا آغاز قرآن مجید کے حروف کی تعلیم سے ہوتا ہے۔ طالب علم کو عربی، فارسی اور اردو پڑھنا سکھائی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے عربی گرامر کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس ضمن میں ابتدائی کتب فارسی زبان میں ہوتی ہیں اور اعلی درجے کی تعلیم عربی زبان میں دی جاتی ہے۔ گرامر کی کچھ کتابیں پڑھانے کے بعد عربی ادب، علم معانی، علم بیان، علم بدیع اور علم عروض کی چند ایک کتب کی تعلیم دی جاتی ہے۔

خالص دینی علوم میں ابتدا علم الفقہ سے ہوتی ہے جس کی متعدد چھوٹی بڑی کتب کئی سال تک

پڑھائی جاتی ہیں۔ فقہ کے ساتھ علم کلام کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان دونوں کے متوازی قرون وسطی کے چند دنیاوی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے جن میں منطق، فلسفہ اور ریاضی شامل ہیں۔

اعلی درجے پر پہنچ کر طالب علم اصول التفسیر، اصول الفقہ، اصول الحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی تعلیم درمیانی سالوں میں دی جاتی ہے۔ قرآن مجید کا منتخب نصاب (بالعموم سورہ بقرہ کی تفسیر بیضاوی) اور احادیث میں سے مشکوٰۃ پڑھا دی جاتی ہیں۔ آخری سال میں دورہ حدیث کروا دیا جاتا ہے جس میں صحاح ستہ کی کتابوں کی صرف ریڈنگ کی جاتی ہے البتہ کہیں کوئی اشکال پیدا ہو تو استاذ صاحب وضاحت کر دیتے ہیں۔

اس پورے نظام تعلیم میں چند مسائل موجود ہیں جن پر اہل علم عموماً تنقید کرتے رہتے ہیں۔ بہت سے مدارس میں اگرچہ ان میں سے بعض مسائل پر قابو پا لیا گیا ہے مگر پھر بھی اکثر جگہ یہ مسائل موجود ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل یہ ہے:

مدارس کے نظام تعلیم کا سب سے بڑا مسئلہ "مقصد تعلیم" ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے مدارس بالعموم فرقہ وارانہ بنیادوں پر قائم کیے گئے ہیں۔ ہر مسلک کے مدارس کا ایک وفاقی بورڈ موجود ہے جو کہ اپنے مسلک کے مدارس کے طلبہ کا امتحان لیتا ہے۔ تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہی سمجھا جاتا ہے کہ اپنے مسلک کے دفاع اور دوسرے مسالک پر حملے کے لئے زبان اور قلم کے جنگجو تیار کیے جائیں۔ کہنے کو تو یہاں اسلام کے داعی تیار کیے جاتے ہیں مگر اصل مقصد اپنے مخصوص مسلک کے داعی تیار کرنا ہوتا ہے۔

دین کا اصل ماخذ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ اس کی تفہیم و تبیین احادیث کے ذخیرے میں موجود ہے۔ اکثر مدارس کے نصاب تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو قرآن وحدیث اس میں ترجیح کے مقام پر موجود نہیں ہیں۔ قرآن مجید کی ایک نہایت مختصر تفسیر

جلالین داخل نصاب ہے مگر بہت ہی کم مدارس میں یہ پوری تفسیر پڑھائی جاتی ہے۔ اعلی درجے کی تفاسیر میں بیضاوی شامل ہے جس میں سے صرف سورہ بقرہ ہی داخل نصاب ہے۔ بعض مدارس میں چند اور تفاسیر کا مطالعہ کروایا جاتا ہے۔ یہی معاملہ حدیث کا ہے۔ حدیث کے ذخیرے میں سے مشکوٰۃ المصابیح ہی وہ کتاب ہے جس کا مدارس کے طلباء تفصیل سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اس میں بھی زیادہ زور ان احادیث کی تشریح میں صرف ہو جاتا ہے جن کی توجیہ میں کچھ فرقہ وارانہ مسائل موجود ہیں۔ معاملات جیسے تجارت، معیشت، سیاست، معاشرت وغیرہ سے متعلق احادیث کو عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ صحیح وضعیف حدیث کی جانچ پڑتال کے طریقہ کار کی عملی مشق بہت ہی کم کروائی جاتی ہے۔

مدارس کے نصاب میں جو دنیاوی علوم داخل ہیں، ان میں سے زیادہ تر آؤٹ ڈیٹڈ ہو چکے ہیں۔ علم المنطق کو ایک خاص زمانے میں اہمیت حاصل رہی ہوگی مگر آج کی دنیا میں اس کا اطلاق نہ ہونے کے برابر ہے۔ قرون وسطٰی میں فزکس، کیمسٹری، بائیولوجی، اکنامکس، آسٹرانومی، پولیٹیکل سائنس، سوشیالوجی وغیرہ سب کی سب فلسفے کے تحت پڑھائی جاتی تھیں۔ اب ان علوم میں اس قدر اضافہ ہو چکا ہے کہ یہ فلسفے سے الگ ہو کر اپنی اپنی جگہ علیحدہ حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ مدارس کے طلباء اس جدید دور میں بھی آٹھ سو سال پرانی سائنس پڑھنے پر مجبور ہیں۔

قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی عربی زبان کی اہمیت ناگزیر ہے۔ اکثر مدارس میں عربی سکھانے کے لئے گرامر پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد عربی ادب میں قرون وسطی کی چند کتب پڑھا دی جاتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اعلی درجے کا قدیم عربی ادب نصاب میں شامل کیا جائے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حناؔ

غزل

بھٹکتے پھر رہے ہیں ہم مسافتوں کے درمیاں
صداقتوں کو ڈھونڈتے، شباہتوں کے درمیاں

کچھ ان دنوں وہ گرد ہے، ہر ایک آنکھ اٹ گئی
دھواں ہوئیں بصیرتیں، بصارتوں کے درمیاں

یہ سورجوں کا بانکپن تو زندگی کی موت ہے
پگھل رہے ہیں جسم وجاں تمازتوں کے درمیاں

ہے آج بھی جو ناتواں، ہے وقت کی صلیب پر
بس ایک آہِ نارسا ہے طاقتوں کے درمیاں

ہر ایک پل، ہر اِک جگہ خدا تو ساتھ ساتھ ہے
پھر اس کو بھولتے ہو کیوں، عدالتوں کے درمیاں؟

کوئی تو آ کے نفرتوں کے زہر کو نکال دے
صداقتوں کا قحط ہے، رفاقتوں کے درمیاں

وہ کون سی تھیں ساعتیں کہ دھول میں بدل گیا
وہ پھول جو کھلا ہوا تھا چاہتوں کے درمیاں

یقین گر تمہیں نہیں تو اپنے دل سے پوچھ لو
وہ بات ڈھونڈتے ہو کیوں صراحتوں کے درمیاں

وہ شخص اپنی ذات میں کمالِ بے مثال ہے

عجب ہے گُل کِھلا ہوا، جراحتوں کے درمیاں

جہالتوں کے جسم پر قلم کی تیغ گاڑ دو

ملیں گی تم کو عظمتیں بغاوتوں کے درمیاں

سخن تمہارا دِل نشیں، ہے خوشبوؤں کا جانشین

گلاب سے مہک اٹھے، سماعتوں کے درمیاں

قبائے غم اتار لو، خوشی کا روپ دھار لو

تمہارا نام ہے حنا، بشارتوں کے درمیاں

جس طرح دنیا میں تجارت
بداخلاقی کے ساتھ نہیں کی جاسکتی
اسی طرح جنت کی تجارت
بداخلاقی کے ساتھ نہیں کی جاسکتی

(ابویحییٰ)

انسان کی جہالت اصل مسئلہ نہیں ہوتی
اصل مسئلہ جہالت کے باوجود
اپنی بات پر اعتماد ہوتا ہے

(ابویحییٰ)

ابویحییٰ کی کتابیں

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

حکمت کی باتیں

حکمت کی وہ باتیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں

ملاقات

اہم علمی، اصلاحی، اجتماعی معاملات پر ابویحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

کھول آنکھ زمین دیکھ

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفر نامہ

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ابویحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

Monthly
INZAAR
SEP 2017
Vol. 05, No. 09
Regd. No. MC-1380
Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,
25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi